# بیعِ سلم میں تلفیق بین المذاہب کی فعالیت- هيئة المحاسبة کے فتاوی کا تحقیقی جائزہ

# *Application of Talfiq in Different School of Thoughts: Research Study of Fatwas Issued by AAOIFI*

***Abdul Razzaq***
*Assistant professor, Department of Islamic Studies,*
*Govt. postgraduate college, Samundri, Pakistan.*

## Abstract

*To juxtapose various components in one issue or various issues, and to adopt various jurists' points of views is called "Talfiq." In the present radical age of science and technology, each and every social faculty is being radicalized particularly in finance; there are certain complications in the monetary systems of various countries. In this scenario, to concentrate on one school of thought and deduce the solution of these financial issues has now become impossible. That is why, Majlis-e-Shar'ii concentrate on "Talfiq between different school of thoughts", where various parallel issues are solved. The Majlis has prepared a sharia standard where practicable and beneficial financial issues are elaborated. The jurists have elaborated various principles of "Bae-e-Salam", and presented various relevant issues taking the insight from various scholars of Maliki, Hanafi, Shafi and Hambli schools of thoughts and focused on "Talfiq". The present research paper the decrees related to Talfiq will be explored, where the jurists have adopted it. Whether it is allowed or prohibited. If it is allowed, to what extent?*

***Key word**: Talfiq, Finance, Bay-e-Salam, AAOIFI, financial.*

CC BY

## تعارف:

کسی ایک مسئلہ کے مختلف اجزاء میں، ایک باب کے مختلف مسائل میں، یا مختلف ابواب میں مختلف فقہاء کے اقوال و مذاہب کو اختیار کرنا تلفیق کہلاتا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس دور میں انسانی زندگی کے ہر شعبے میں بڑی تیزی سے تبدیلی آئی ہے، اور دن بدن مزید آرہی ہے، خاص کر معاشی شعبے میں تجارتی معاملات میں مختلف ممالک کے قوانین اور سودی مالیاتی اداروں کی پوری دینا میں موجودگی سے اسلامی مالیاتی اداروں کے لئے بہت سی پیچیدگیاں اور مسائل پیدا ہورہے ہیں۔اسلامی مالیاتی اداروں کے ان نئے اور پیچیدہ مسائل کا حل اور پورے مالیاتی نظام کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کے لئے کسی ایک فقہی مذہب کو اختیار کرنا اور اسی میں رہ کر ان تمام جدید معاشی مسائل کا حل تلاش کرنا اور ان کو جدید معاشی نظام میں قابلِ عمل بنانا، صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔اس لئے 'ہیئۃ المحاسبۃ والمراجعۃ للمؤسسات المالیۃ الاسلامیۃ' (بحرین) کی مجلس شرعی ان تمام معاشی مسائل کے حل کے لئے "تلفیق بین المذاہب" کا سہارا لیتی ہے۔ چنانچہ "ہیئۃ المحاسبہ" نے دیگر عقود کی طرح بیع سلم پر بھی ایک مستقل شرعی معیار "السلم والسلم الموازی" کے نام سے تیار کیا ہے، اس میں بیع سلم کی عصر حاضر میں قابل عمل اور منافع بخش ممکنہ صورتوں کے شرعی اصول وضوابط بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ بیع سلم کو آج کل اسلامی مالیاتی ادارے بڑے پیمانے پر طریقہ تمویل کے طور پر استعمال کر رہے ہیں، کیونکہ شریعت نے سلم کی اجازت کاشتکاروں اور تاجروں کی ضرورتیں پوری کرنے کیلئے دی ہے۔اس لئے یہ بنیادی طور پر چھوٹے تاجروں اور کاشتکاروں کیلئے ایک طریقہ تمویل ہے اور یہ طریقہ جدید اسلامی مالیاتی ادارے بکثرت استعمال کرتے ہیں، خاص طور پر زرعی شعبے کی تمویل کیلئے تو اس کا استعمال بہت زیادہ ہے۔عام طور پر سلم میں قیمت عام بازار سے کم طے ہوتی ہے یعنی بازار میں وہ چیز مہنگی ہوتی ہے اور بیع سلم میں ان کی قیمت کم طے کی جاتی ہے تو اس طرح ان دونوں قیمتوں کے درمیان جو فرق ہوگا وہ بنکوں اور مالیاتی اداروں کا جائز منافع ہوگا۔

ذیل میں اس شرعی معیار میں سے تلفیق پر مبنی فتاوی جات کا جائزہ لیا جائے گا، کہ مجلس شرعی نے اس معیار میں کہاں کہاں تلفیق کی ہے؟اور یہ تلفیق جائز ہے یا ناجائز؟اور اگر جائز ہے تو وجوہ جواز کیا ہیں؟

## تلفیق کا لغوی معنی:

تلفیق باب تفعیل سے مصدر کا صیغہ ہے، جو لفق سے مشتق ہے، مجرد میں اس کا باب ضرب ہے۔ کہا جاتا ہے: لفق الثوب جس کا معنی ہے ایک کپڑے کو دوسرے کے ساتھ ملا کر سی دینا۔ مختلف اشیاء کو ملا کر ایک بنا دینے کو اہل لغت تلفیق کا نام دیتے ہیں۔ جیسے تلافق القوم کا معنی تلائمت امور ہم کہ ان کے معاملات باہم ملے جلے ہیں۔ اسی لئے ایسی دو چیزیں جو دائمی ملی ہوئی ہوں انہیں لفقان کہا جاتا ہے۔[1] قدیم فقہاء کے ہاں لفظ تلفیق لغوی معانی میں ہی مستعمل ہے، چنانچہ حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں حیض کے باب

[1] ابن منظور افریقی، محمد بن مکرم، **لسان العرب** ( بیروت: دار صادر ،س ن)، ۱۰: ۳۳۰، مادہ لفق۔

میں پندرہ دن سے کم طہر کے ایام کو دونوں طرف کے دم سے ملا کر حیض شمار کیا جاتا ہے۔ جب کہ شوافع یہاں تلفیق کے قائل نہیں ہیں ،اسی طرح مالکیہ بحری اور بری سفر میں تلفیق کے قائل ہیں، یعنی دونوں کو ملاتے ہیں جبکہ حنفیہّ یہاں تلفیق کے قائل نہیں ہیں۔

یہ اور اس قسم کے دیگر کئی مسائل میں قدیم فقہاء لفظ تلفیق کو اس کے لغوی معنی ضم کرنے کے میں ہی استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ جمال الدین قاسمی لکھتے ہیں:

''لم یسمع لفظ التلفیق فی کتب الائمة ولا فی موطاتهم ولا فی امهاتهم ولا فی کتب اصحابهم ولا اصحاب اصحابهم''[1]

''تلفیق کا لفظ ائمہ کی کتب میں نہیں سنا گیا، نہ ان کی مذہب کی امہات کتب میں، نہ ان کے شاگردوں کی کتب میں، اور نہ ہی ان کے شاگردوں کے شاگردوں کی کتابوں میں''

مصنف تلفیق کے اصطلاحی معنی کا ہی انکار کر رہے ہیں کہ اس اصطلاحی معنی میں تلفیق کا ذکر ان کی کتب میں نہیں ملتا۔

## تلفیق کی اصطلاحی تعریف:

**تلفیق کی اصطلاحی تعریفات بہت سے علماء سے اپنے اپنے انداز میں کچھ کمی بیشی کے ساتھ منقول ہیں، ان سب کا ما حصل یہ ہے:**

'' التلفیق ان الاخذ فی الاحکام الفقهية بقول أكثر من مذهب فی أبواب متفرقة أو باب واحد أو فی أجزاء الحكم الواحد''[2]

''تلفیق یہ ہے کہ احکام فقہیہ میں ایک سے زائد مذاہب کو مختلف ابواب، یا ایک باب، یا ایک مسئلہ کے مختلف اجزاء میں جمع کر دینا۔''

گویا کہ اس تعریف کے مطابق تلفیق کی تین صورتیں ہیں:

1- مختلف ابواب میں تلفیق کرنا جیسے نماز میں ایک امام کے اقوال پر عمل کرنا اور اور زکوۃ میں دوسرے امام کے مذہب کو اختیار کرنا۔
2- ایک باب میں مختلف ائمہ کے اقوال پر عمل کرنا جسے وضو کے طریقہ کار میں حنفیہّ کے مذہب کو اختیار کیا اور غسل میں شوافع کے اقوال کو لے لیا۔
3- ایک ہی مسئلہ کے مختلف اجزاء میں مختلف مذاہب کو جمع کر دینا جسے وضوء کرتے ہوئے صرف چند بالوں کا مسح شافعیہ کے مذہب کے مطابق کیا اور پھر مس امرۃ میں حنفیہّ کے مذہب کو اختیار کیا۔ یہ تمام صورتیں علماء کے ہاں اصطلاحی تلفیق کی ہیں، اور ان کے جواز اور عدم جواز میں کافی تفصیلی مباحث موجود ہیں، خاص کر آخری صورت میں کافی شدت پائی جاتی ہے۔ کیوں کہ تلفیق تقلید ہی کی ایک

---

1 قاسمی، جمال الدین محمد بن محمد، **الفتوی فی الاسلام** ( بیروت: دار لکتب العلمیہ، ۱۳۸۹ھ)، ص: ۱۰۴

2 محمد بن عبد الرزاق، **التلفیق موقف الاصولیین منه** ( کویت: وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، ۱۴۳۴ ھ)، ص: ۱۵۰

صورت ہے چنانچہ اس کا جواز اور عدم اس بحث پر موقوف ہے کہ کسی معین فقہی مذہب کی تقلید ضروری ہے یا نہیں؟اس بارے میں تمام علماء کے تین نقطہ نظر سامنے آتے ہیں۔

**مطلق عدم جواز:**

بہت سے علماء ہر قسم کی تلفیق کے عدم جواز کے قائل ہیں،ان میں ابوالمعالی،امام الحرمین عبدالملک الجوینی،علی بن محمد الکیاالھراسی اور محمد بن احمد السفارینی عدم جواز کے قول میں مشہور ہیں۔ان حضرات کی مشہور دلیل یہ ہے کہ اس سے تکالیف شرعیہ کا خاتمہ ہو جائے گا اور بعض دفعہ حرام چیز حلال ہو جائے گی۔[1]

**مطلق جواز:**

بعض علماء تلفیق کو مطلّقا جائز قرار دیتے ہیں۔ان میں کمال الدین علامہ ابن ہمام،محمد امین بن محمود امیر بادشاہ اور علامہ ابن عابدین کے نام مشہور ہیں۔ان حضرات نے بہت سے دلائل دیئے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ تلفیق میں آسانی ہے جو شریعت اسلامیہ میں پسندیدہ ہے،اور صحابہ وتابعین کا عمل بھی اس کے جواز پر دال ہے،نیز شریعت میں کہیں بھی اس کی ممانعت وارد نہیں ہوئی،لھذا تلفیق مطلّقا جائز ہے۔[2]

**مشروط جواز:**

اہل علم کی ایک کثیر جماعت تلفیق کو چند شرائط کے ساتھ جائز قرار دیتی ہے،ان میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ،ابن قیم جوزی،علامہ احمد بن ادریس القرافی،حافظ خلیل العلائی،عبدالرحمٰن بن یحی المعلمی،شاہ ولی اللہ،ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی اور موجودہ دور کے بہت سے محققین علماء شامل ہیں،ان حضرات کے بھی وہی دلائل ہیں جو مطلّقا جواز کے قائلین کے ہیں البتہ ان حضرات میں سے بعض نے تلفیق کے جواز کے لئے ایک،بعض نے دو اور بعض نے دو سے زیادہ شرائط لگائی ہیں۔[3]

**تلفیق کے جواز کی شرائط:**

۱۔ تلفیق تب جائز ہو گی جب اس کی واقعی حاجت اور ضرورت ہو گی،اتباع ہوی یا تکلیفِ شرعی سے بچنے کے لئے نہ ہو۔

۲۔ مسئلہ ملفوقہ کی مرکب صورت کی مخالفت پر اجماع نہ ہو،مثلاایک آدمی امام شافعی کے مذہب کے مطابق کہتا ہے کہ نبیذ اور خمر حکم میں برابر ہیں،پھرامام ابو حنیفہ کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ نبیذ حلال ہے۔اور کیوں کہ یہ دونوں امام شافعی کے نزدیک حکم میں برابر ہیں لھذا خمر بھی حلال ہے۔تو ایسی تلفیق باطل اور حرام ہے۔

---

[1] السفارینی،محمد بن احمد،**التحقیق فی بطلان التلفیق** (ریاض: دارالصمیعی،س ن)،ص: ۱۷۱-۱۷۲

[2] البانی،محمد سعید،**عمدۃ التحقیق فی التقلید والتلفیق** (دمشق: المکتب الاسلامی،س ن)،ص:۹۵-۹۸

[3] ایضاً،ص:۱۱۱-۱۱۲

۳۔ تلفیق کے جواز کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ مقاصد و مزاج شریعت کے مخالف نہ ہو۔ جیسے ایک شخص ولی، مہر اور گواہوں کے بغیر نکاح کرتا ہے، اور بالترتیب امام ابو حنیفہ ا، امام شافعی اور امام مالک کی تقلید کا دعوی کرتا ہے۔ تو یہ تلفیق ناجائز ہے، کیوں کہ یہ مزاج شریعت کے مخالف ہے۔ اس میں کئی مفاسد پائے جاتے ہیں۔ مثلاً عورت کے حق کا ضیاع، تہمت اور زنا کی بہت زیادہ آسانی۔

۴۔ قضائے قاضی کی مخالفت نہ ہو رہی ہو۔ کیوں کہ قاضی کا حکم رافعِ اختلاف ہے۔

۵۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ مسئلہ کی صورت مرکبہ کو مبتلاء بہ یا مفتی حالات حاضرہ کے مطابق راجح اور درست سمجھتا ہو۔[1]

## بیع سلم کی تعریف:

سلم کا لغوی معنی ہے دینا، چنانچہ 'سلم الثوب للخیاط' کا معنی ہے درزی کو کپڑا دیا۔ اصطلاح شرح میں سلم سے مراد بیع الآجل بالعاجل، نقد کے ساتھ ادھار بیع کرنا، یعنی ثمن نقد ادا کرنا اور مبیع ادھار لینا۔[2]

بیع سلم کا جواز اور مشروعیت قرآن و حدیث اور اجماع تینوں سے ہے۔

''يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوه''[3]

''اے ایمان والو جب تم ادھار کا معامہ کسی متعین وقت تک کرنے لگو تو اسے لکھ لیا کرو''

عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں وہ عقد سلم جس کی مدت متعین ہو اسے اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے اور اس کی اجازت دی ہے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔[4]

اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس کے نزدیک بیع سلم کا جواز قرآن سے ہے، اور اس آیت میں کیونکہ دَین کو حلال اور مباح قرار دیا ہے اور عقد سلم دَین کی ایک قسم ہے، لھذا وہ حلال ہے۔ چنانچہ ابن عربی لکھتے ہیں:

''ہر وہ معاملہ دین ہے جس میں ایک عوض نقد ہو اور دوسرا ذمہ میں ادھار ہو، اس لئے کہ عربوں کے نزدیک جو حاضر ہے وہ عین ہے جو ادھار ہے وہ دَین ہے۔''[5]

سلم کی مشروعیت میں جو احادیث مبارکہ موجود ہیں ان میں خاص طور پر عبداللہ بن عباس کی روایت ہے جس میں وہ

---

[1] دیکھیے: وھبۃ الزحیلی، **اصول الفقہ الاسلامی** (بیروت: دار لفکر، ۱۴۰۶ھ)، ص: ۱۱۴۲۔۱۱۵۰؛ وھبۃ الزحیلی، **فتاوی الزحیلی**، (بیروت: دار لفکر، ۱۴۰۶ھ)، ۱: ۱۱۰؛ علی بن نایف الشحود، **الخلاصۃ فی احکام الاجتھاد والتقلید** (دمشق: المکتب الاسلامی، س ن)، ص: ۱۵۰

[2] ابن عابدین، **رد المحتار** (بیروت: دار المعرفۃ، س ن)، ۴: ۲۰۳

[3] البقرۃ: ۲۸۲

[4] شافعی، محمد بن ادریس، **مسند الشافعی بترتیب السندی** (بیروت: دار لکتب العلمیہ، ۱۹۵۱ء)، ۲: ۱۷۱

[5] ابن العربی، محمد بن عبداللہ، **احکام القرآن** (بیروت: دار لکتب العلمیۃ، س ن)، ۱: ۲۴۷

فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کھجور میں دو تین سال کے لئے عقد سلم کرتے تھے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''من أسلف في تمرفليسلف في كيل معلوم ووزن معلوم الى أجل معلوم''[1]

''جو شخص کھجور میں عقد سلم کرے، اسے متعین کیل، متعین وزن اور متعین مدت تک کرنا چاہیے۔''

ابن المنذر نے کہا کہ ہمارے علم کے مطابق تمام اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ بیع سلم جائز ہے۔[2]

**بیع سلم کا خلاف قیاس ہونا:**

بیع سلم خلاف قیاس مشروع ہے؛ جمہور فقہاء کے نزدیک بیع سلم قیاس اور شریعت کے عام قواعد کے خلاف بطور استثناء لوگوں کی ضرورت وحاجت کی بنیاد پر مشروع ہوئی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم نے واضح کہا ہے کہ یہ خلاف قیاس ہے اس لئے کہ یہ معدوم کی بیع ہے، حاجت کی بنیاد پر نص اور اجماع سے جائز ہے۔[3]

اس طرح علمائے مالکیہ نے بھی اس بات کی صراحت ہے کہ بیع سلم رخصت ہے، جو چیز بائع کے پاس نہ ہو اس کی بیع جائز نہیں ہے لیکن یہ اس سے مستثنی ہے۔

تلفیق اور بیع سلم کی کے بارے میں ان ضروری مباحث کے بعد ذیل میں ''ہَيئۃ المحاسبۃ والمراجعۃ للمؤسسات المالیہ'' کا بیع سلم پر تیار کردہ شرعی معیار '' السلم والسلم الموازی'' میں تلفیق پر مبنی صورتوں جائزہ لیا جاتا ہے۔

**منفعت کا راس المال بننا:**

بیع سلم میں مبیع کو مسلم فیہ، ثمن کو راس المال، بائع کو مسلم الیہ اور مشتری کو رب السلم اور مسلم کہا جاتا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ راس المال نقدی ضروری ہے یا کسی چیز کی منفعت کو بھی راس المال بنایا جاسکتا ہے؟ صورت مسئلہ یہ ہے کہ راس المال اگر کوئی عین نہ ہو بلکہ اس کے منافع ہوں تو یہ درست ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

**جمہور کا مذہب:**

جمہور فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک منافع راس المال بن سکتے ہیں؛

**دلیل:**

جمہور فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ منافع بذات خود اموال ہیں، ان کے اصول و مصادر پر قبضہ کرکے ان پر بھی قبضہ کیا جاسکتا

---

[1] ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، **السنن** (ریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء)، حدیث: ۳۴۶۳

[2] ابن قدامہ، **المغنی** (ریاض: مکتبہ الریاض الحدیثۃ، ۱۴۰۱ ھ)، ۴: ۳۰۴

[3] ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، **البحر الرائق** (بیروت: دار الکتب الاسلامی، س ن)، ۶: ۱۶۹

ہے، اور ان کے اصول و مصادر وہ اعیان ہیں جن سے نفع حاصل کیا جاتا ہے، اس لئے انہوں نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ عقد سلم میں منافع کو راس المال بنایا جاسکتا ہے لہٰذا اگر رب السلم یہ کہے کہ میں نے اپنا یہ مکان تم کو ایک سال کی رہائش کیلئے بطور عقد سلم دیا اور تم مجھے اتنی گندم فلاں تاریخ کو دوگے تو یہ درست ہے۔[1]

**حنفیہ کا مذہب:**

حنفیہؒ کے نزدیک راس المال کا منفعت ہونا درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگرچہ منافع ملک ہیں، لیکن حنفیہؒ کے نزدیک یہ مال نہیں ہیں، کیونکہ حنفیہؒ کے نزدیک مال وہ ہے جس کی طرف انسانی طبائع کا میلان ہو، وقتِ ضرورت کیلئے اس کو محفوظ رکھنا ممکن ہو۔[2] اور منافع قبضہ کرنے اور محفوظ کرنے کے لائق نہیں ہیں، کیونکہ یہ اعراض ہیں اور دھیرے دھیرے آناً فاناً پیدا ہوتے ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں، اس لیے حنفیہؒ کے نزدیک عقد سلم میں منافع کو راس المال بنانا درست نہیں ہے۔[3]

**مجلس شرعی کا فیصلہ:**

مجلس شرعی نے اس مسئلہ میں جمہور فقہاء کا مذہب اختیار کیا ہے اور اپنے شرعی فیصلے میں منافع کے راس المال بننے کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ المعایير الشرعیۃ میں ہے:

''يجوز أن يكون رأس مال السلم عينا من المثليات ---ويجوز أيضاً أن يكون منفعة عامة لعين معينة كسكنى الدار أو الانتفاع بطائرة أو باخرة لمدة محددة، ويعتبر تسليم العين التي في محل المنفعة قبضا معجلا لرأس المال''[4]

''یہ جائز ہے کہ سلم کا راس المال مثلی اشیاء میں سے کوئی متعین چیز ہو۔۔۔اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ کسی متعین چیز کے منافع سلم کا راس المال ہوں جیسے ایک متعین مدت کیلئے گھر کی رہائش یا ہوائی جہاز کا استعمال، اس صورت میں اس متعین چیز جو کہ منفعت کا محل ہے کو سپرد کر دینے سے سلم کے سرمائے کی پیشگی ادائیگی شمار کی جائے گی۔''

اس کی شرعی بنیاد ذکر کرتے ہوئے مجلس شرعی کے علماء نے لکھا ہے:

''مستند جواز كون المنفعة رأس مال السلم مبني على ما صرح به المالكية وقد استندوا في ذلك

---

[1] شہاب الدین، محمد بن ابو العباس، **نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج** (بیروت: دار الفکر، ۱۴۰۴ ھ)، ۴: ۱۸۴؛ الانصاری، زکریا بن محمد، **اسنی المطالب** (بیروت: دار الکتاب الاسلامی، س ن)، ۲: ۱۲۳؛ النووی، یحیی بن شرف، **روضۃ الطالبین** (بیروت: المکتب الاسلامی، ۱۴۱۲ھ)، ۴: ۲۷؛ الخرشی، محمد بن عبداللہ، **شرح مختصر الخلیل** (بیروت: دار الفکر، س ن)، ۵: ۲۰۳

[2] جماعۃ من العلماء، **مجلۃ الاحکام العدلیہ** (کراچی: کارخانہ تجارتِ کتب، س ن) دفعہ نمبر: ۱۲۶

[3] الکاسانی، علاء الدین، **بدائع الصنائع** (بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۹۸۲ء)، ۵: ۲۰۲

[4] ہیئۃ المحاسبۃ والمراجعۃ للمؤسسات المالیہ الاسلامیہ، **المعاییر الشرعیۃ** (بحرین: ہیئۃ المحاسبۃ والمراجعۃ، ۱۴۳۱ ھ)، ص: ۱۳۲

إلى قاعدة قبض الأوائل قبض للأواخر ، فلا يصير حينئذ بيع دين بدين''[1]

''منفعت کو سلم میں قیمت کے طور پر طے کرنے کا جواز مالکیہ کی صراحت کی بنیاد پر ہے، اور اس سلسلے میں انہوں نے ایک فقہی قاعدہ "اوائل پر قبضہ کرنا اواخر پر قبضہ کرنا شمار ہو جاتا ہے" کو بنیاد بنایا ہے چنانچہ اس صورت میں ادھار کے بدلے میں ادھار کی فروخت نہیں آئے گی۔''

اس مسئلہ میں مجلس شرعی نے امام مالکؒ کا قول اختیار کیا ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک منافع اگرچہ بتدریج وجود میں آتے ہیں لیکن ان کے ہاں ایک قاعدہ ہے: ''قبض الاوائل قبض الاواخر''[2] اوائل یعنی پہلے حصوں پر قبضہ اواخر یعنی بعد والے حصوں پر قبضہ شمار ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد پر منافع کے محل پر جب قبضہ کر لیا اور اوائل پر جب قبضہ ہو تو گویا کہ تمام منافع پر قبضہ ہو گیا۔

## مجلس شرعی کے فیصلے کا جائزہ:

مجلس شرعی کا یہ فیصلہ درست معلوم ہوتا ہے اس کی وجوہ مندرجہ ذیل ہو سکتی ہیں؛

1: آج کل عرف میں منافع کے ساتھ مال والا ہی برتاؤ کیا جاتا ہے، اس لئے یہاں بھی ان پر مال کا حکم ہی لگایا جائے گا۔

2: وقت اور ضرورت کی بنیاد پر بھی اس مسلک کو اختیار کرنا بینک اور لوگوں کی ضروریات کے مطابق ہے اس لئے یہاں امام مالک کا مذہب اختیار کرنا درست اور اقرب الی الصواب ہے۔

## مجلس عقد میں راس المال پر قبضہ کرنا:

بیع سلم میں مبیع تاخیر سے ادا کی جاتی ہے لیکن راس المال کی ادائیگی میں تاخیر جائز ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے؛

### حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا قول:

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیع سلم کے جواز کیلئے ضروری ہے کہ مجلس عقد میں ہی راس المال پر قبضہ پایا جائے، اگر راس المال پر قبضہ نہ کیا گیا تو بیع سلم درست نہیں۔[3]

### جمہور کے دلائل:

جمہور کی پہلی دلیل عبداللہ بن عباسؓ سے مروی سابقہ حدیث ہے:

''من أسلف فليسلف فی كيل معلوم ووزن معلوم الى أجل معلوم''[4]

---

1 ہیئۃ المحاسبۃ والمراجعۃ، **المعاییر الشرعیۃ**، ص: ۱۳۵

2 الونشریسی، احمد بن یحیی، **ایضاح المسالک الی قواعد الامام مالک** (بیروت: دار ابن حزم، ۱۴۲۷ھ)، ص: ۱۸۷

3 الکاسانی، **بدائع الصنائع**، ۵: ۲۰۲؛ شافعی، محمد بن ادریس، **الامّ** (بیروت: دار المعرفۃ، س ن)، ۳: ۹۵؛ ابن قدامۃ، **المغنی**، ۴: ۳۲۸

4 ابوداؤد، **السنن**، حدیث: ۳۴۶۳

"جو عقد سلف کرے وہ متعین کیل، متعین وزن میں متعین مدت کیلئے کرے۔"

عربی میں تسلیف کا معنی فوری دینا ہوتا ہے لہذا جس کے ساتھ عقد کیا ہے اس کے جدا ہونے سے پہلے اس کو مال نہیں دیا جس کے ذریعے عقد سلف ہوا تو اسے عقد سلف نہیں کہا جائے گا بلکہ وعدہ سلف کرنے والا ہوگا اس لئے یہ درست نہیں۔[1]

ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ راس المال پر قبضہ کرنے سے قبل جدا ہو جانا ادھار کی بیع ادھار سے کر کے جدا ہونا ہوگا اور یہ بالاجماع ممنوع ہے۔[2]

تیسری دلیل یہ ہے کہ سلم میں دھوکا ہے، لیکن ضرورت کی وجہ سے اس کو خلاف قیاس (استحساناً) مشروع کیا گیا ہے، لہذا دوسرے عوض یعنی راس المال پر فوری قبضہ کے ذریعے اس کی تلافی کی جاتی ہے تاکہ طرفین میں دھوکا مزید نہ بڑھے۔[3]

چوتھی دلیل یہ ہے کہ عقود میں شرعی مقصد یہ ہے کہ محض ان کے انعقاد سے ان پر آثار مرتب ہوں تو اگر دونوں بدل یعنی مسلم فیہ اور راس المال موخر ہو جائیں گے تو عقد اپنے اصلی حکم اور اس کی غرض و مقتضیٰ کے خلاف عاقدین کیلئے غیر مفید رہ جائے گا، اسی وجہ سے ابن تیمیہ نے عقد سلم میں راس المال کی تاخیر کے بارے میں کہا ہے کہ یہ ممنوع ہے تاکہ عاقدین میں سے ہر ایک کا ذمہ بغیر کسی فائدے کے مشغول نہ ہو۔ نہ اس کو فائدہ ہو نہ دوسرے کو فائدہ ہو، اور عقود کا مقصد قبضہ کرنا ہوتا ہے اور یہ ایسا عقد ہو جائے گا جس سے مقصد بالکل ہی حاصل نہ ہوگا۔ بلکہ یہ بلا فائدہ ایک چیز کو اپنے اوپر لازم کرنا ہوگا۔[4]

اس کے علاوہ بھی جمہور فقہاء کے کئی دلائل کتب میں مذکور ہیں، ان دلائل سے بھی یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جمہور کا مذہب مضبوط دلائل و براہین پر قائم ہے۔

## مالکیہ کا مذہب:

مالکیہ نے اس مسئلہ میں جمہور فقہاء سے اختلاف کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ شرط کے ساتھ یا بغیر شرط کے دو یا تین دونوں کی تاخیر جائز ہے۔ اور انہوں نے اس قاعدہ فقہیہ کا اعتبار کیا ہے: "ما قرب من الشيئ له حكمه" کہ جو کسی چیز کے قریب ہو اس کو اسی کا حکم دے دیا جاتا ہے۔[5]

اس لئے مالکیہ نے اس معمولی تاخیر کو معاف قرار دیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ فوری ادائیگی کے حکم میں ہی ہے۔[6]

---

1 الرملی، ابو العباس، **حاشیۃ الرملی علی اسنی المطالب** ( قاہرہ: مکتبۃ دار الحدیث ، ۲۰۰۴ء)، ۲: ۱۲۲

2 ابن قدامہ، **المغنی**، ۴: ۵۴

3 ایضاً

4 ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، **نظریۃ العقد** ( بیروت: دار المعرفۃ ، س ن)، ص: ۲۳۵

5 الونشریشی ، **ایضاح المسالک الی قواعد الامام مالک**، ص: ۱۷۰

6 قاضی، عبد الوہاب بن علی، **الاشراف علی مسائل الخلاف** (بیروت: دار ابن حزم، ۱۴۲۰ھ)، ۱: ۲۸۰

## مجلس شرعی کا فیصلہ:

اس مسئلہ میں مجلس شرعی کے فقہاء نے مالکیہ کا قول اختیار کیا ہے چنانچہ شرعی معیار نمبر 10 میں ہے:

''یشترط قبض رأس مال السلم في مجلس العقد، ویجوز تأخیره لیومین أو ثلاثة بحد أقصی ولو بشرط علی ألا تکون مدة التأخیر مساویة أو زائدة عن أجل تسلیم المسلم فیه'' [1]

''سلم کے راس المال پر عقد طے ہونے کے بعد مجلس عقد میں ہی قبضہ ہونا ضروری ہے، تاہم زیادہ سے زیادہ دو یا تین دن کی تاخیر کی گنجائش ہے اور اس تاخیر کی شرط بھی رکھی جا سکتی ہے بشرطیکہ تاخیر کی یہ مدت، مبیع کی حوالگی کیلئے طے شدہ مدت کے برابر یا اس سے زیادہ نہ ہو۔''

اس کی شرعی بنیاد میں ہیئۃ المحاسبۃ نے وہی سارے دلائل ذکر کئے ہیں جو جمہور علماء کے ہیں: کہ تاخیر جائز نہیں ہے۔

''مستند اشتراط قبض رأس المال في مجلس العقد هو قوله ﷺ:'من سلف فلیسلف في کیل معلوم' والتسلیف أو الإسلاف هو التقدیم ولأنه سمي سلما لما فیه من تقدیم رأس المال فإذا تأخر لم یکن سلما ولان تأخیر دفع رأس المال عن مجلس العقد والتفرق من غیر تقابض یجعل العقد کالئا بکالئ دینا بدین وهو منهي عنه ومتفق علی تحریمه. قال ابن رشد: وأما الدین بالدین فأجمع المسلمون علی تحریمه'' [2]

''عقد کے انعقاد کے لئے ہونے والی مجلس میں سلم کے راس المال پر قبضہ کرنا ضروری ہونے کی بنیاد حضور ﷺ کی اس حدیث پر ہے کہ جو بھی تسلیف کرے وہ معلوم پیمانہ میں کرے، اور تسلیف یا اسلاف کے معنی ہیں "تقدیم" یعنی پیشگی ادائیگی کرنا اس عقد کو سلم اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں راس المال پہلے دیا جاتا ہے اگر اسی میں تاخیر ہو تو یہ عقد سلم نہیں رہے گا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اگر عقد کے انعقاد کی مجلس میں راس المال نہیں دیا گیا تو یہ ادھار کے بدلہ ادھار کی فروخت ہوگی۔، جو کہ ممنوع ہے اور اس کی حرمت پر اتفاق ہے، ابن رشدؒ نے فرمایا: امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ ادھار کے بدلے ادھار کی فروخت حرام ہے۔''

مجلس شرعی کے سارے دلائل وہی ہیں جو جمہور نے راس المال کی فوری ادائیگی کے ضمن میں دیے ہیں۔ مجلس شرعی نے فتوی امام مالک کے مذہب پر دیا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں دی، بہر حال امام مالکؒ معمولی تاخیر کو تاخیر شمار نہیں کرتے، اور ان کی دلیل امام مالک کے مذہب میں ذکر کی گئی ہے۔ گویا کہ امام مالک بھی راس المال کے فوری ادائیگی کے ہی قائل ہیں لیکن وہ معمولی تاخیر کی گنجائش دیتے ہیں جب کہ جمہور فقہاء اس کی گنجائش نہیں دیتے۔

---

[1] ہیئۃ المحاسبۃ، **المعاییر الشرعیۃ**، ص: ۱۳۲

[2] ایضاً، ص: ۱۳۹

## مجلس شرعی کے فیصلے کا جائزہ:

یہاں پر مجلس شرعی کا فیصلہ امام مالک کے مذہب کے مطابق مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر درست معلوم ہوتا ہے:

1-آجکل زیادہ تر ثمن کی ادائیگی چیکوں کے ذریعہ ہوتی ہے اور چیک کلیئر ہونے میں بھی دو تین دن ضرور لگ جاتے ہیں، لہذا اس قسم کی معمولی تاخیر کی اجازت ہونی چاہیے۔

2: یہ تو بیع سلم ہے آج کل تو عام بیوع جن میں مبیع اور ثمن دونوں نقد ہوتے ہیں وہاں بھی جب چیک دیا جاتا ہے تو اس کے کلیئر ہونے میں دو تین دن لگ جاتے ہیں اور عرف تجار میں اس کو نقد ہی سمجھا جاتا ہے لہذا بیع سلم میں بھی اس قسم کی معمولی تاخیر کو برداشت کر لینا وقت کی ضرورت ہے اور امام مالک کا مذہب اس بارے میں اختیار کرنا بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔

3-چیک کے علاوہ بھی عام طور پر بڑے معاملات میں دو تین دن تک ثمن کی ادائیگی کو تاجر نقد ہی تصور کرتے ہیں۔ لھذا بیع سلم میں بھی اس کی گنجائش ہونی چاہئیے۔

## وقت عقد سے لے کر حلولِ اجل تک مبیع کا موجود ہونا اور دلیل:

عقد سلم میں مبیع کا عقد سلم سے لے کر حلول اجل تک مارکیٹ میں موجود ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عقد سلم کے صحیح ہونے کیلئے عقد کے وقت مسلم فیہ کا موجود ہونا شرط نہیں، لہذا جو چیز عقد کے وقت موجود نہ ہو اور مدت پوری ہونے سے قبل لوگوں کے پاس نہ رہے تو اس میں جمہور کے نزدیک عقد سلم جائز اور درست ہے۔[1]

جمہور کی دلیل مذکورہ بالا حدیثِ عبداللہ بن عباسؓ ہی ہے۔ جس کے مطابق نبی کریم ﷺ نے عقد کے وقت مسلم فیہ کے موجود ہونے کی شرط نہیں لگائی، اگر اس کا موجود ہونا شرط ہوتا تو آپ ﷺ اس کو ضرور ذکر فرماتے اور آپ ﷺ لوگوں کو دو سال تین سال سے ضرور منع فرماتے اس لئے کہ یہ یقینی بات ہے کہ اتنی طویل مدت تک پھل نہیں رہتے، تو اس صورت حال کے باوجود آپ ﷺ کا اس کو منع نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ عقد سے لے کر حلول اجل تک مسلم فیہ کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔

## حنفیہ کا مذہب اور دلیل:

حنفیہؒ، سفیان ثوری اور امام اوزاعی نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے اور ان کے نزدیک جو چیز عقد کے وقت سے لیکر مدت کے پوری ہونے تک انقطاع کے بغیر مسلسل بازاروں میں موجود نہ رہے اس میں عقد سلم صحیح نہیں ہوگا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مسلم الیہ کے مر جانے سے مدت باطل ہو جاتی ہے، اور اس کے ترکہ سے مسلم فیہ کا وصول کرنا واجب ہو جاتا ہے، اسی لئے مسلم فیہ کے ہمیشہ موجود رہنے کی شرط لگائی جاتی ہے تاکہ سپردگی پر قدرت بھی ہمیشہ رہے، اس لئے کہ اگر یہ شرط نہ ہو اور مسلم الیہ مدت پوری ہونے

---

[1] ابن قدامۃ، **المغنی**، ۴: ۳۲۶؛ ابوالولید الباجی، سلیمان بن خلف، **المنتقی شرح المؤطا** ( مصر: مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۳۲ھ)، ۴: ۳۰۰

سے قبل مر جائے تو ہو سکتا ہے کہ مسلم فیہ کو سپرد کرنا نا ممکن ہو جائے، تو اس کا نتیجہ غرر ہوگا۔[1] اور جس عقد میں غرر ہو وہ شرعی اعتبار سے درست نہیں ہوتا، لھذا اس غرر کو دور کرنے کے لئے مسلم فیہ کا پوری مدت بازار میں موجود رہنے کی شرط ہی درست ہے۔[2]

## مجلس شرعی کا فیصلہ:

اس مسئلہ میں مجلس شرعی نے جمہور فقہاء یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے مذہب کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ معیار شرعی نمبر 10 کے ضابطہ نمبر 8/2/3 میں ہے:

''يشترط أن يكون المسلم فيه عام الوجود في محله بحكم الغالب عند حلول أجله حتى يكون في إمكان المسلم إليه تسليمه للمسلم''[3]

''یہ بھی ضروری ہے کہ حوالگی لازم ہونے کے وقت مسلم فیہ عموما اپنے مقام پر عام طور پر دستیاب رہے تاکہ فروخت کنندہ کیلئے اسے خریدار کے سپرد کرنا ممکن ہو سکے۔''

ہیئۃ المحاسبۃ نے اس کی کوئی خاص شرعی بنیاد ذکر نہیں کی بلکہ مطلّقاً اس بات کو ذکر کر دیا ہے کہ غرر سے بچا جا سکے۔ مجلس شرعی نے فتوی یہاں بھی جمہور کے مذہب پر دیا ہے لیکن دلیل میں حنفیہّ کی غرر والی بات ہی ذکر کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

''مستند اشتراط أن يكون المسلم فيه عام الوجود في محله هو دفع الغرر ولكي يكون في إمكان المسلم إليه التسليم''[4]

مسلم فیہ کے اس جگہ عام طور پر موجود رہنے کی شرط ہونے کی بنیاد یہ ہے کہ غرر کو دور کیا جا سکے اور فروخت کنندہ کے لئے حوالگی ممکن ہو سکے۔

## مجلس شرعی کے فیصلے کا جائزہ:

مجلس شرعی کا مسلم فیہ کے عقد سے حلول اجل تک بازار میں موجود ہونے کے برخلاف اس کا حلول اجل کے وقت موجود ہونے پر فتوی دینا درست معلوم ہوتا ہے، وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

1-اس سلسلے میں جمہور فقہاء کی دلیل مضبوط ہے کہ آپ ﷺ نے بیع سلم کی اجازت اس وقت دی جب بازار میں عام طور پر اتنی مدت پھل نہیں پایا جاتا تھا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ عقد سے لے کر حلول اجل تک مبیع کا پایا جانا ضروری نہیں۔

---

[1] الکاسانی، **بدائع الصنائع**، ۵: ۲۱۱؛ ابن نجیم، **البحر الرائق**، ۶: ۱۷۲

[2] الحصکفی، محمد بن علی ،**الدر المختار مع حاشیۃ رد المحتار** (مصر: طبع بولاق ،۱۲۷۲ ھ)،۴: ۲۲۶ ؛ابن نجیم، **البحر الرائق**، ۶: ۱۷۲

[3] ہیئۃ المحاسبۃ والمراجعۃ، **المعاییر الشرعیۃ** ،ص:۱۳۳

[4] ایضاً، ص:۱۳۹

2: حنفیہؒ نے جو دلیل اس سلسلے میں دی ہے وہ بظاہر کمزور معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے اس جزئی کو لیکر پورا ایک حکم لگایا ہے۔ لہٰذا ایک مخصوص فرضی صورت کی بنیاد پر پورا ضابطہ تبدیل کرنا درست نہیں ہے۔

3: مدت پوری ہونے سے قبل مسلم فیہ کو سپرد کرنا ضروری نہیں، لہٰذا مسلم فیہ کا پایا جانا بھی ضروری نہیں ہونا چاہیے۔

4: آج کل بنک اس کو طریقہ تمویل کے طور پر استعمال کرتے ہیں خاص کر زرعی شعبہ میں تو مسلم الیہ یہ عقد کرتا ہی اس لئے ہے کہ اب وہ چیز نہیں لیکن جب وقت آئے گا تو میری فصل ہو جائے گی اور میں یہ چیز آسانی کے ساتھ تمہارے سپرد کر دوں گا، لہٰذا اس صورت حال میں جمہور فقہاء کے مذہب پر فتوی دینا بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔

رہی بات حنفیہؒ کے استدلال کی کہ اس میں غرر پایا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب حلول اجل میں مسلم فیہ پائی جائے گی تو غرر کا خاتمہ ہو جائے گا، نیز عقد سلم کی روح کو دیکھا جائے تو حنفیہؒ کا مسلک کمزور اور جمہور کا راجح نظر آتا ہے۔

## عقد کے بعد مسلم فیہ کی تبدیلی کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک چیز پر عقد سلم ہوا مثلاً مسلم فیہ گندم تھی تو اب کیا اس گندم کے بدلے چاول لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء سے مختلف آراء منقول ہیں:

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک مسلم فیہ کی تبدیلی حلول اجل سے پہلے بھی جائز ہے اور حلول اجل کے بعد بھی، بشر طیکہ وہ بدل اصل سے زائد نہ ہو۔[1]

فقہاء شافعیہ اور حنفیہؒ کے نزدیک مسلم فیہ کو حلول اجل سے پہلے تبدیل کرنا تو جائز نہیں ہے البتہ عقد میں شرط لگائے بغیر حلول اجل کے بعد جائز ہے، بشر طیکہ تبدیل کی گئی مسلم فیہ غیر نقد ہو، یعنی وہ بدل راس المال کے علاوہ ہو اسی کی جنس میں نہ ہو۔[2]

## شافعیہ اور حنفیہ کی دلیل:

جمہور فقہاء کی دلیل آپ ﷺ کا درج ذیل ارشاد ہے:

''من أسلم فی شیئ فلا یصرفه فی غیره''[3]

''جو شخص کسی شئے میں بیع سلم کرے تو وہ اس کو دوسری چیز کی طرف نہ پھیرے۔''

## مالکیہ اور حنابلہ کی دلیل:

ان حضرات کی دلیل حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم کسی چیز میں ایک مدت تک عقد سلم کرو

---

[1] البھوتی، منصور بن یونس، **کشاف القناع عن متن الاقناع** ( بیروت: دار الکتب العلمیۃ ، س ن)، ۳: ۲۹۳

[2] الکاسانی، **بدائع الصنائع**، ۵: ۲۱۴؛ النووی، **المجموع شرح المھذب** (بیروت: دار لفکر ، س ن)، ۹: ۲۷۳

[3] ابوداؤد، **السنن**، حدیث: ۳۴۶۸

تو جس چیز میں عقد سلم کیا ہے اسی کو لے لو تو ٹھیک ہے ورنہ اس کا بدل اس سے کم لو، دو بار نفع نہ لو۔[1] جس سے واضح معلوم ہو رہا ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ مسلم فیہ کی تبدیلی کے قائل تھے۔

### مجلس شرعی کا فتوی:

اس مسئلہ میں مجلس شرعی نے حنفیہؒ اور شافعیہ کا مذہب اختیار کرتے ہوئے مسلم فیہ کی تبدیلی کے جواز کا فتوی ان شرائط کے ساتھ دیا ہے۔ جو انہوں نے لگائی ہیں مثلاً حلول اجل کے بعد، عقد میں شرط لگائے بغیر وغیرہ۔ چنانچہ ضابطہ نمبر 2/4 میں ہے:

''یجوز للمسلم ( المشتري ) مبادلة المسلم فیه بشيء آخر – غیر النقد – بعد حلول الأجل دون اشتراط ذلك في العقد، سواء کان الاستبدال بجنسه أم بغیر جنسه، وذلك بشرط أن یکون البدل صالحا لأن یجعل مسلما فیه برأس مال السلم، وأن لا تکون القیمة السوقیة للبدل أکثر من القیمة السوقیة للمسلم فیه وقت التسلیم'' [2]

''شرط لگائے بغیر خریدار کیلئے سلم کی مدت پوری ہونے کے بعد مسلم فیہ کے بدلہ میں نقد کے علاوہ کوئی اور چیز لینا جائز ہے۔ چاہے یہ تبدیلی مسلم فیہ کی جنس کی کسی چیز کے ساتھ ہو یا اس کی جنس کے علاوہ کسی اور چیز کے ساتھ ،اسی طرح یہ بھی شرط ہے کی بدلہ میں دی جانے والی چیز سلم کے موجودہ راس المال کے مقابلے میں مسلم فیہ بن سکتی ہو اور ادائیگی کے وقت بازار میں اس بدل کی قیمت مسلم فیہ کی بازاری قیمت سے زیادہ نہ ہو''

اس کی شرعی بنیاد ذکر کرتے ہوئے ہیئۃ المحاسبہ کے علماء لکھتے ہیں:

''مستند منع الاستبدال إذا کانت القیمة للبدل أکثر من القیمة السوقیة للمسلم فیه وقت التسلیم هو لا یربح المشتري مرتین في صفقة واحدة'' [3]

''مسلم فیہ کو تبدیل کرنے کی صورت میں بدلہ میں لی جانے والی مسلم فیہ کی قیمت،ادائیگی کے وقت اصل مسلم فیہ سے زیادہ ہونے کی ممانعت ہے۔اس ممانعت کی بنیاد یہ ہے کہ خریدار ایک ہی سودے میں دو مرتبہ نفع نہ کمائے۔''

لہٰذا مذکورہ بالا شرائط کی موجودگی میں یہ بیع جائز قرار پاتی ہے اور مسلم فیہ کی تبدیلی کے جواز کا فتوی دیا ہے۔

### مجلس شرعی کے فیصلے کا جائزہ:

مجلس شرعی نے حلول اجل سے قبل مسلم فیہ کو تبدیل کرنا ممنوع قرار دیا ہے۔ حلول اجل کے بعد حنفیہؒ اور شافعیہ کے قول

---

[1] ابن القیم، محمد بن ابی بکر، **تہذیب سنن ابی داود وایضاح مشکلاتہ** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ ،س ن)،۵: ۱۱۳

[2] ہیئۃ المحاسبۃ والمراجعۃ، **المعاییر الشرعیۃ**، ص: ۱۳۳

[3] ایضاً، ص: ۱۳۹

کے مطابق جائز قرار دیا ہے، کیونکہ حنفیہؒ اور شافعیہ نے اس میں کڑی شرائط لگا دی ہیں؛

1: حلول اجل کے بعد تبدیلی ہو۔

2: عقد میں تبدیلی مشروط نہ ہو۔

3۔ بدل نقدی کے علاوہ ہو، یعنی نقدی نہ ہو۔

4۔اس بدل کی قیمت مسلم فیہ کی بازاری قیمت سے زیادہ نہ ہو۔

ان شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ فتوی باکل مناسب اور درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ جو دلیل مالکیہ اور حنابلہ نے مسلم فیہ کو حلول اجل سے پہلے تبدیل کرنے میں دی ہے اس میں کہیں بھی حلول اجل سے پہلے تبدیلی کی بات نہیں ہے۔ باقی اس اثر کو حنفیہؒ اور شافعیہ نے من وعن لیا ہے کہ بدل کی قیمت زیادہ نہ ہو تاکہ رب السلم ایک ہی عقد میں دو بار نفع نہ کمائے۔ تو بہر حال مجلس شرعی کا یہ فیصلہ انتہائی احتیاط پر مبنی ہے اور دلائل کے اعتبار سے مضبوط مذاہب کی بنیاد پر قائم ہے اس لئے درست معلوم ہوتا ہے۔

**خلاصہ بحث ونتائج تحقیق:**

تلفق کے لغوی معانی دو چیزوں کو ملانے کے ہیں جبکہ اصطلاحی معنی کسی ایک مسئلہ میں یا مختلف مسائل میں مختلف مذاہب پر عمل کرنے کا نام ہے اور یہ تقلید ہی ایک صورت ہے۔ قدیم فقہاء لفظ تلفیق کو لغوی معنی میں زیادہ تر استعمال کرتے ہیں اصطلاحی معنی میں نہیں۔ دسویں صدی ہجری کے بعد تلفق علماء کے ہاں اصطلاحی معانی میں مستعمل ہوا ہے۔

تلفیق کے مجوزین کا قول مندرجہ ذیل وجوہ کی بناپر راجح ہے:

1- تلفیق کی ممانعت پر کوئی نصِ قطعی موجود نہیں ہے۔

2- تلفیق کے عدم جواز سے لوگوں کو تنگی کا سامنا کرنا پڑے گا جو شریعت کے مزاج کے خلاف ہے۔

3- دور صحابہ وتابعین میں کسی متعین مذہب کی تقلید نہیں تھی بلکہ تلفیق کی ہی ایک صورت تھی۔ مجلس شرعی نے سلم کے باب میں جن مسائل میں تلفیق کی ہے ان فتاوی میں مجلس شرعی کے علماء کا موقف لوگوں کی حاجات کے اعتبار سے بلکل درست معلوم ہوتا ہے، اور یہ تلفیق شرعا جائز ہے کیوں کہ اس کی بنیاد اتباعِ ہوٰی اور خواہشات نفس پر نہیں بلکہ عرف، اور ضروت وحاجت کے ساتھ ساتھ دیگر مضبوط دلائل پر ہے۔

تلفیق کے جواز اور عدم جواز میں علماء کے تین قول زیادہ اہم ہیں، راجح قول شرائط کے ساتھ جواز کے قائلین کا ہے۔ قرآن وحدیث سے بیع سلم کا جواز خلاف قیاس ضرورت کی بناپر ہے۔

ہیئۃ المحاسبۃ والمراجعہ کے فقہاء نے قرآن وسنت اور قدیم فقہاء کے مذاہب کے مطابق جدید حالات کے تناظر میں عقد سلم کے اصول وضوابط بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کئے ہیں، عقد سلم فی نفسہ ایک جائز عقد ہے لیکن اس عقد کو جدید مالیاتی اداروں کیلئے قابلِ عمل طریقہ تمویل بنانے کیلئے علماء نے تمام مذاہب کا سہارا لیا ہے اور پورے معیار کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں تلفیق بین المذاہب مکمل طور پر فعال نظر آتی ہے۔ چنانچہ مجلس شرعی کے علماء نے منافع کے راس المال بننے اور عقد سے لے کر حلول اجل تک مبیع کے

موجود ہونے کے مسئلے میں مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ، مجلس عقد میں راس المال پر قبضہ کرنے میں صرف مالکیہ، اور مسلم فیہ کی تبدیلی کے مسئلے میں حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب اختیار کیا ہے۔ان مسائل میں مجلس شرعی نے عرف، تعامل ناس اور ضرورت وحاجت کی بنا پر تلفیق کی ہے، جو شرعی اعتبار سے بلکل درست عمل ہے۔

This work is licensed under a
Creative Commons Attribution 4.0 International Licence.